

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اشارات

آٹھ ماہ کی جبری بندش کے بعد اللہ تعالیٰ نے جماعت اسلامی کی بحالی کے بالکل غیب سے سامان پیدا کر کے اُسے پھر ایک بار میدانِ عمل میں اترنے کا موقع فراہم کر دیا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰخِيَانًا بَعْدَ مَا اٰمَنَّا وَاٰلِيْهِ النَّشُوْرُ - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهٗ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ - سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ - رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَاَرْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ -

منعم حقیقی کی اس رحمت بے پایاں کا ہم جس قدر شکریہ ادا کریں، اسی قدر کم ہے لفظ کا کوئی ڈھانچہ ہمارے ولی جذبات کے اظہار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مالک الملک کے بے حد حساب عنایات کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمیں ہماری ساری خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنے دین کی خدمت اور چاکری کا موقع مہیا فرمایا ہے۔

یوں تو جماعت کی تشکیل سے پہلے ہی جب اس کا ابھی ارادہ ہی کیا گیا تھا مختلف حلقوں کی طرف سے اس کے موقف کے بارے میں کئی قسم کے بے جا خدشات اور بدگمانیوں کا اظہار کیا گیا لیکن چند سالوں سے اس کے بارے میں غلط فہمیوں کے جو طوفان اٹھاتے جا رہے ہیں ان کی بنا پر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے مقصد اور طریق کار کے متعلق

وقتاً فوقتاً وضاحت کرتے رہیں تاکہ اس کے کارکن اور اس کے بہی خواہ اس تلامطم خیر فضا میں ان مقصدس عظام اور نیک آرژوؤں کو نظر انداز نہ کرنے پائیں جن کی تکمیل کے لیے جماعت اسلامی کو قائم کیا گیا ہے۔ دوسرے وہ سلیم الفطرت حضرات جو ضد اور چڑ کے جذبات میں بہک کر نہیں بلکہ محض غلط پراپیگنڈے کا شکار ہو کر اس کی مخالفت کرنے میں مصروف ہیں۔ انھیں سوچنے، سمجھنے اور حالات کو صحیح طور پر جانچنے کی دعوت دی جائے۔

ہم اپنے خالق و مالک، اس کے فرشتوں، اس کی پوری کائنات اور ساری نوع بشری کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو اور قیامت کے روز جب ہم اس کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں تو وہ مالک الملک اور مالک یوم الدین ہیں اپنا اطاعت گزار سمجھ کر ہم سے انتہائی نرمی اور شفقت کا بڑا ڈاکرے۔ یہ ہماری دعوت بھی ہے اور ہماری آرژو بھی۔ ہم اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اسی کے لیے اپنی بساط کے مطابق جِد و جہد کر رہے ہیں۔ ہمیں اس امر کا بھی پوری طرح اعتراف ہے کہ یہ عظیم اور بلند مقصد جس قسم کے اخلاص، جس نوعیت کے ایثار اور جس طرح کی مضبوط سیرت و کردار کا تقاضا ہے، ہم اس کے تقاضوں کو کسی اعتبار سے بھی پورا نہیں کرتے۔ ہماری ہمتیں پست، ہمارے ارادے مترنزل، ہمارے ایمان ناقص ہیں۔ ہمیں یہ سب کچھ تسلیم ہے لیکن اپنی ان سب کوتاہیوں کے اعتراف اور ان پر اظہارِ ندامت کے باوجود یہ بات کسی جذبہ فخر سے نہیں بلکہ محض تجدیدِ نعمت کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم رب العالمین کے دین کو اس دنیا میں غالب کرنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ لوگ اس مقصد کی رفعت اور اور اس کے حصول کی دشواریوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، جب ہماری تہی دستی پر نظر ڈالیں تو ہماری اس جسارت پر خندہ زن ہوں، اور اسے چھوٹا منہ اور بڑی بات سمجھ کر نظر انداز کریں، لیکن ہم یقین ہے کہ ہمارا خالق ہماری حقیر سی سعی کو ضرور شرفِ قبولیت بخشے گا اور اس کی

یہ حد و حساب رحمت اپنے دامن میں ہماری ساری خامیوں کو ڈھانپ لیگی اور دنیا اور آخرت میں ہمیں فائز المرام کرے گی۔ ہماری یہ جسارت جو اپنے مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے مصر کی اُس روایتی بڑھیا کی حوصلہ مندی سے ملتی جلتی ہے جس نے موت کی انٹی کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کا غم کیا تھا ہمیشہ نفرت و تحارت کی مستحی نہیں سمجھی گئی بلکہ بسا اوقات قادر مطلق نے اسی طرح کی معصوم اور سادہ تمناؤں کی، جن کے پیچھے مادی وسائل کی غیر معمولی کمی ہوتی ہے، تکمیل کر کے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اظہار کیا ہے۔ آخر ابرہہ بن الاسد کے ہاتھوں کی منہی منہی چڑیوں کے ہاتھوں تباہی اسی دنیا کے واقعات میں سے ہے۔

لوگ ہم سے بار بار پوچھتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ان کے جواب میں ہم نے بار بار ایک بات ہی کہی ہے کہ :-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاَعْبُدُوْهُ
 هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ - (ال عمران - ۱۵)

اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ لہذا تم اُس کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ ہے ہماری دعوت کا مرکزی نکتہ۔ ہم اس بات پر نچتے یقین رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔ اور جو انسان اس معقول طرز عمل کو چھوڑ کر کوئی دوسری روش اختیار کرتا ہے وہ باغی اور خائن ہے۔ یہ بات انسانی عقل و فکر کے خلاف ہے کہ کوئی شخص مالک الملک کی بادشاہت میں رہے، اُس کے خزانوں سے بھر پور فائدہ اٹھائے، مگر عبادت کے لیے قوم، نسل، وطن، پتھر کی مورتیوں یا اپنی خواہشات کو منتخب کرے اللہ درحقیقت وہی ہے جس نے ہمیں اور ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور جس کی قدرت ذرہ ذرہ پر حاوی ہے۔ جس کی حاکمیت اور فرمانروائی صرف اس عالمِ آب و گل تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے ماوراء تمام عالموں پر پوری طرح محیط ہے۔

پھر ہم نوح بشری کو اس بات کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ عبادت سے وہی مفہوم لے جو صحیح فطری اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہے جب ایک انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُس کا خالق و مالک، اس کا کارساز حقیقی، اس کا رب، اس کا آقا و فرمانروا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ قادرِ مطلق کے سامنے ہی سمر نیاز خم کرے، اسی کا شکر گزار ہو، اسی سے دعائیں مانگے اور اسی کے حضور میں محبت و عقیدت کے نذرانے پیش کرے۔ پھر وہ جب اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ خدا ہی اُس کا مالک و آقا ہے تو اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ وہ پوری زندگی اسی کا بندہ اور غلام بن کر رہے، اسی کی غلامی کے علاوے کو جبر و اکراہ کے ساتھ نہیں بلکہ پوری خوش دلی کے ساتھ اپنی گردن میں ڈال لے۔ اُس کا رویہ کسی خود مختار اور غیر مستول فرد کا نہ ہو بلکہ اُس شخص کا سا ہو جو پروردگار عالم کی غلامی کو اپنا سرمایہٴ حیات اور ذریعہٴ نجات سمجھتا ہے۔

اسی طرح خدا کو واحد فرمانروا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان اُسی کے حکم کی بلا چون چرا اطاعت اور اسی کے قانون کی پیروی کرے۔ نہ خود اپنا حکمراں بنے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کی حاکمیت تسلیم کرے۔ *الَّاٰكِهٖ الْخَلْقُ وَالْاٰمَرُ*۔ جب خلق اسی مالک الملک کی ہے تو امر بھی اسی کا ہے۔ سروری اُسی ذات بے ہمتا کو زبیر دیتی ہے۔ اُس قادرِ مطلق کے علاوہ اس کے سارے دعویٰ اور جھوٹے ہیں۔ اس نے اپنی خلق کو دوسروں کی کبر مائی تسلیم کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں اپنی من مانی کا روٹیاں کرتے رہیں اور نہ ہی اُس نے مخلوق کو یہ آزادی دی ہے کہ وہ اپنے مالک کی منشا اور مرضی کے بغیر جو چاہے کرتی پھرے۔

اسلام میں عبادت کا لفظ محض پوجا پاٹ کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ لفظ پرستش، اطاعت اور فرمانبرداری، بندگی اور غلامی سب پر حاوی ہے۔ ایک انسان جب اپنے معبود حقیقی کے ساتھ رشتہٴ عبودیت استوار کرتا ہے تو وہ جملہ خود مختاریوں سے دستبردار یوں ہو کر اپنی پوری

زندگی اُس کے حوالے کر دیتا ہے۔ اسی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز جھکا کر اپنی بندگی کا اظہار اپنی کم مائیگی اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہے، پھر اسی کے بتائے ہوئے حق و صداقت کے راستے پر گامزن ہو کر اپنی وفاداری اور عقیدت کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور اس کے حیاتِ آفرین قوانین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کر کے نہ صرف اپنی فلاح پاتا ہے بلکہ ممالک کی حکایت کی شہادت دیتا ہے۔

رب السموات والارض کی بندگی اور اطاعت گزارگی کوئی جزوقتی شغل نہیں بلکہ ایک ایسا مقدس ہمہ وقتی کام ہے جس سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو صاف صاف ہدایات تمہارے پاس اچکی ہیں، اگر ان کو پالینے کے بعد تم نے نعرہ شکر کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ - فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

والبقرة- ۲۵

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دی ہے کہ اسلام انسان سے مکمل اطاعت، اور پوری فرمانبرداری کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اطاعت کسی استثنا اور تحفظ کے بغیر حیاتِ انسانی کے ہر شعبے میں ہونی چاہیے۔ یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے مالک و خالقِ حاکم، فرمانروا اور رب ہونے کا زبان سے اقرار کرتے ہو، تو پھر تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاملات اور تمہارے سعی و عمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہونے چاہئیں۔ اللہ تمہارا تمہارے معاہدہ میں معبود نہیں بلکہ معیشت و معاشرت، سیاست و قانون، تہذیب و تمدن میں تمہارا مطاع ہے۔ زندگی کے جس گوشے میں بھی تم اُس کی

ہدایات کو پس پشت ڈال کر کسی اور کی پیروی اختیار کر گئے تو وہ درحقیقت شیطان کی پیروی ہوگی۔

ایمان ایک مابعد الطبیعیاتی عقیدہ نہیں بلکہ ایک مومن کی پوری زندگی، اس کے جسم و جان، اس کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں اور اس کے سارے ذرائع و وسائل کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سودا ہے۔ یہ ایک معاہدہ ہے جس کی زور سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی طرف سے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے فائز المرام کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ
الْاَنْفُسَ حُرُوْمًا لِّهٖمْ بِاَنْ لَّهٖمُ الْجَنَّةَ۔
حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے
نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے

والتوبہ - ۱۱۳

یہ بیع زندگی کے کسی ایک حصے کی نہیں بلکہ پوری زندگی کی ہے۔ اس میں اس کی جان، اس کا جسم اور ان دونوں کی ترغیبات اور ان کے تقاضے شامل ہیں پھر اپنے نفس سے مہٹ کر خارجی زندگی میں اس کے پاس جو کچھ موجود ہے اس کے حقوق مانگنا نہ صرف مالک الملک کو ہی حاصل ہیں اس کی اپنی حیثیت جسم و جان اور مال متاع کے مالک کی نہیں بلکہ ایمن کی ہے اور وہ اس امت سے اپنی منشا کے مطابق نہیں بلکہ اس کے اصل مالک کی مرضی کے مطابق ہی فائدہ اٹھانے کا مجاز ہے اور اگر وہ دیانت کی اس روش کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے تحت اس میں تصرف کرتا ہے تو وہ خیانت کا ترکب ہوتا ہے۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اس نے حیات انسانی کی فطری وحدت کو بزر قرار رکھتے ہوئے اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے احکام صادر فرماتے ہیں۔ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کے درمیان تفریق بلکہ تضاد پیدا کرنے کی بجائے انہیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرتا

ہے۔ وہ انسان سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ جس بلند و برتر ذات کو تو نے اپنی نماز اور پرستش میں اللہ تسلیم کیا ہے اُسے زندگی کے ہر میدان میں اپنا مطاع مانج۔ تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ بلکہ تمہارے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہ ہونا چاہیے جس پر اُس قادرِ مطلق کی اطاعت کی گہری چھاپ نہ ہو۔ اپنے آقا و مولا سے تمہاری عجز و نیاز کی باتیں، اس کے حضور میں نذرانہ عقیدت و محبت، اس کے در پر جبیں ساتی اور پھر اُس کی مخلوق کے ساتھ تمہارے گونا گوں تعلقات اور روابط سب تمہارے بنیادی تصورِ حیات یعنی ایمان کے رُخِ زیبا کے عکس ہونے چاہیں جب تک تمہاری حیات کے مختلف گوشے ایک ہی نور سے منور نہیں ہوتے۔ اس وقت تک تمہاری زندگی کی فطری وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ چیز عقل و فہم کے خلاف ہے کہ تمہارا ضمیر اور وجدان تو ایمان یا اللہ کی روشنی سے جگمگا رہا ہو لیکن تمہاری معیشت اور سیاست، تمہاری تہذیب اور معاشرت کو طاعوت اپنے تسلط کی وجہ سے ظلمتوں سے بنا کر رکھ دیا ہو۔

حق اپنے مزاج کے اعتبار سے سزا پا تو جمیدی ہے اور وہ اپنے ساتھ باطل کی کسی معمولی سے معمولی آمیزش کو گوارا نہیں کر سکتا۔ حق کا نور جب کسی شخص کے قلب و دماغ پر اپنی حیات آفرین نہیں بھیرتا ہے تو باطل کی تاریکیاں آن واحد میں اپنے ڈراؤنے پرول کو سمیٹ لیتی ہیں۔ کیونکہ انہیں اس کی ضیا پاشیوں کے سامنے ایک لمحہ کے لیے بھی ٹھہرنے کی ہمت نہیں ہو سکتی۔ جو دل حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو اس میں باطل کسی صورت بھی راہ نہیں پاسکتا۔ کیونکہ حق مطلوب و مفتوح ہونے، یا باطل کے ساتھ مصالحتیں اور معاہدے کرنے کے لیے نہیں آتا بلکہ باطل کا یکسر قلع قمع کر کے اپنی مکمل عملداری قائم کرنے کے لیے آتا ہے۔

وَقَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَدَهَتْ الْبَاطِلُ

اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

اِنَّ الْبَاطِلَ كَاتٍ زَهُوْتًا۔

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی ازل سے ستیروہ کار رہا ہے اور حق نے کبھی ایک لمحہ کے

یہ بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ زندگی کے کسی میدان میں بھی جہاں اس کا نور پھیل رہا ہے وہاں وہ باطل کے شرارے کو آزادی کے ساتھ بھرنے کا موقع دے۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی چھوٹیوں سے بچھادیں مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس میں پر غالب کرنے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

يُؤَيِّدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ
بِأَنفُسِهِمْ وَيَأْتِي اللَّهُ الْآثَانَ يَتِّمُّ كُورَهُ
وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ - هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ
رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
(المتوبہ - ۵)

اسلام کا نور مسجدوں کی محرابوں یا خانقاہوں کے حجروں میں سمٹ کر رہنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اعداء کی ساری یورشوں اور باطل کی اٹھاتی ہوئی آندھیوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس نور کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت سے روشن ہوں اور ان کے کسی گوشے میں بھی جاہلیت کا کوئی نقش باقی نہ رہے۔ لوگ تنگ نظری اور تعصب سے نجات حاصل کریں اور خدا کی کھلی ہوا اور روشنی میں سانس لینا سیکھیں۔ طاقتور انسانوں نے اپنی چالاک اور عیاری سے جس طرح کمزور اور بے بس لوگوں پر اپنی جھوٹی خدائی قائم کر رکھی ہے اس کا خاتمہ ہو، دنیا سے فتنہ و فساد مٹے اور انسانیت اپنے خالق و مالک کو پہچان کر پوری آزادی کے ساتھ، بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے، اس کی حاکمیت قبول کرے۔ عرب قاصدوں کو جب شاہ ایران کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنی جدوجہد کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے بڑے واضح الفاظ میں یہ کہا:

”ہم یہاں اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکالے

اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگی سے نجات دلا کر وسعت و کشائش کی راہ دکھائیں۔ ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اس لیے اُن کے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہیے۔ ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شرافت و کمین کی کوئی تقسیم صحیح نہیں ہم انسانوں کی خود ساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں۔ ہم ساری اولادِ آدم کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ہم انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اگر ہماری بات مان لی جائے تو ہم واپس لوٹ جائیں گے۔

اسلام میں حکومت و فرمانروائی بذاتِ خود مطلوب و مقصود نہیں بلکہ اس دنیا میں خدا کی باوشابست قائم کرنے کا موثر ذریعہ ہے۔ اس راہ میں ہر قسم کی مزاحمتیں پیش آتی ہیں، ہر طرف سے مخالفتوں اور مخالفتوں کے طوفان اٹھائے جاتے ہیں لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش وہ لوگ رہے ہیں جنہوں نے خدا کی حاکمیت قائم کرنے کی بجائے اپنی کبریاپی کے ٹھاٹھ جھار رکھے ہوتے ہیں۔ حکومت و حقیقت کسی قوم کی ساری قوتوں، اُس کے افراد کی صلاحیتوں اور اُس کے ذرائع و وسائل کا مرکز و محور ہوتی ہے۔ اس بنا پر جس فرد یا گروہ کے ہاتھ میں یہ آجائے وہ اس سے جس طرح چاہے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور قوم کو جس رنگ میں چاہے رنگنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ الناس علیٰ دینہم لکھم کوئی شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر خدا کی بندگی میں داخل کرنے کا عزم کیا انہیں اصحابِ اقتدار

نے سب سے زیادہ اپنے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا۔

ان پاکیزہ لوگوں کے خلاف جو فردِ جرم ہمیشہ تیار ہوتی ہے اس میں سرِ فہرست یہ الزام رہا ہے کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں۔ یہ اقتدار کے بھوکوں کا ایک ٹولہ ہے جو کسی مضبوط قیادت کو پریشان کر کے قوم کی سالمیت کو خطرہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ برسرِ اقتدار گروہ سے سخت چھین کر خود اس پر براجمان ہونے کے آرزو مند ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان لوگوں کے اس غلط پروپیگنڈہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے پاس جا کر یہ کہا کہ میں کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا منصب یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں۔ میں تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں، لہذا تو نبی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے (الاعراف-۱۳)، تو فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے اس مجتہد صادق کی دعوت پر غور کرنے کی بجائے فوراً یہ کہا:

إِنَّ هَذَا السَّاحِرُ عَلِيمٌ يُدْرِي
أَنْ يَخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا
تَأْمُرُونَ - (الاعراف-۱۴) اب کہو کیا کہتے ہو۔

یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے تمہیں
تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔

یعنی انہیں خدا کا پیغام سننے ہی فوراً اقتدار کے لئے پڑنے لگے کہ کبھی تخت و تاج ان سے

چھین جاتے۔

پیغمبر کی عظمت کو ٹھیس پہنچانے اور اس کی دعوت کا وزن کم کرنے کے لیے انہوں نے یہی حربہ کارگر سمجھا کہ کسی طرح لوگوں کے ذہنوں میں اس باطل خیال کی آبیاری کی جائے کہ حق و باطل کے درمیان آج جو کشمکش برپا ہے اُس کے پیچھے مقدس اصول اور پاکیزہ نظریات کام نہیں کر رہے بلکہ یہ محض اقتدار کے حصول کے لیے رسد کشی ہے۔

قرآن مجید نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے اسی الزام کو الفاظ کے معمولی تغیر و تبدل کے ساتھ کئی بار دہرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس میں مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے جلیل القدر بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی دعوت سن کر اصحابِ اقتدار سخت برہم ہوتے اور ان کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے کہا: تم اس لیے اٹھے ہو کہ تمہیں ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے :-

فَاثَابُنَا مَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِيهِ - یہی الزام حضرت عیسیٰ پر لگایا گیا کہ یہ شخص یہودیوں کا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ
إِلٰهِ غَيْرِهِ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَقَالَ الْمَلَأُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ
وَالْمُؤْمِنُونَ - ۴

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شخص کچھ نہیں مگر ایک بشر تم جیسا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سردارانِ قریش لوگوں کے اندر اسی نوعیت کی غلط فہمیاں پھیلاتے رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری عمر دنیا اور اس کے مادی فوائد و لذتوں اور اس کی شان و شوکت ہی کے لیے اپنی جانیں کھپاتے رہتے ہیں۔ ان کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ کوئی گروہ محض اپنے مالک اور خالق کی رضا جوئی کے لیے اور اسی کی حاکمیت قائم کرنے کیلئے جان و مال قربان کر سکتا ہے۔ وہ خود چونکہ اپنی کبریاپی کے حفظ و بقا کے لیے ہر طرح کے مکر و فریب سے کام لیتے ہیں اور عوام کو اپنے متعلق مختلف خوش فہمیوں میں گرفتار رکھنے کی غرض سے اصلاح کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں، اس لیے یہ مکاری اور

فریب کاری ان کی نگاہ میں عین اقتضائے فطرت ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح محض مکرو فریب کا دوسرا نام ہے اور اس کی پشت پر کبھی بھی صداقت اور اخلاص نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان لوگوں کی اپنی نیتیں صاف نہیں ہوتیں اس لیے انہیں دوسروں کے دل کے آیتنے میں عرف اپنے آلودہ ضمیر کے عکس ہی نظر آتے ہیں۔ اور وہ انہیں اپنے ہم جنس سمجھ کر ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور نطف کی بات یہ ہے کہ خدا کے پاک بندوں پر ہوس اقتدار کا الزام لگانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جس جذبہ کو وہ غلط، خطرناک اور قوم و ملک کے لیے مہلک سمجھتے ہیں وہ خود اسی جذبہ کے مظہر ہیں۔ کیا یہ اقتدار ان کا کوئی پیدائشی حق ہے کہ اگر وہ خود اس پر قابض رہیں تو فطرت کے مقاصد کی تکمیل ہو، اگر کوئی دوسرا اس کے حصول کا ارادہ کرے تو وہ لازمی طور پر بدنیت ہی ہو۔ کیا یہ لوگ مالک الملک سے کوئی ایسی سند لے کر آئے ہیں جس کے تحت انہیں اقتدار سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر حکومت کوئی قابل ملامت چیز ہے تو یہ اس پر قبضہ رکھنے والوں اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے والوں دونوں کے لیے بُری ہے۔

اس جگہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو فرد یا گروہ بھی رائج الوقت نظام زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے اٹھے گا اور اس کے مقابلے میں اصلاحی نظریہ و نظام پیش کرے گا، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ باطل نظام حیات جس سرچشمہ سے قوت و توانائی حاصل کر رہا ہے، سب سے پہلے اُس پر قبضہ کیا جائے۔ تاکہ اس کے مختلف شعبے غذائے ملنے کی وجہ سے خود بخود کمزور پڑ جائیں اور پھر انہیں اکھاڑ کر ان کی جگہ صحیح نظام زندگی نافذ کرنے میں کوئی شدید دشواری پیش نہ آنے پائے۔

مذہب اور سیاست کی تفریق کا تصور یوں تو بنیادی طور پر غلط ہے لیکن ممکن ہے اسے ان مذاہب کے اندر پنپنے کا موقع مل گیا ہو جن میں مذہب صرف گیان دھیان یا یوگا پاٹ یا چند اخلاقی نصاب کا نام ہے مگر وہ دین جو پوری زندگی پر محیط ہے، جو ایک ہمہ گیر انقلاب کا علمبردار ہے اور جس کے پیش نظر سارے باطل ادیان کو مٹا کر اپنا تسلط قائم کرنا ہے، اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہاں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جاسکتا ہے، انتہائی درجے کی سادگی ہے، ایسی سادگی جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملے سجتے ہوتے ہیں۔ آپ اپنے گمراہ پیش پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ جو اجتماعی نظام آپ کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ آخر کس بل بوتے پر چل رہا ہے۔ کیا آپ کا نظام تعلیم و تربیت اپنے وسیع اخراجات، اپنے انتظام و انصرام اور اپنی منصوبہ بندی کے لیے حکومت کا دست نگر و محتاج نہیں۔ کیا آپ کا معاشی نظام اپنی قوت و توانائی بلکہ اپنے حفظ و بقا کے لیے راجاوت سیاسی نظام سے ہر لمحہ غذا نہیں حاصل کر رہا۔ کیا آپ کی معاشرت کے رگ و پے میں غالب سیاسی افکار پوری طرح سرایت نہیں کر رہے۔ ذرا غور کیجیے کہ حکومت، جو کسی نظام کی مرکزی قوت ہے، اس کو تبدیل کیے بغیر کسی اصلاح کا خواب کس طرح شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

حکومت خواہ وہ جمہوریت ہو یا آمریت، بادشاہت ہو یا اشتراکیت، قوت و طاقت کا سب سے بڑا منبع و مخزن ہے اور مختلف افکار و نظریات کو فروغ دینے بلکہ لوگوں کے دل و دماغ پر ان کا تسلط قائم کرنے کے لیے اس نے ہمیشہ دوسرے تمام ذرائع سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ لیکن دور جدید میں زمان و مکان کے سمٹ جانے کی وجہ سے اس کا دائرہ عمل اتنا وسیع اور اس کی گرفت اتنی مضبوط ہو گئی ہے کہ آج کسی شخص کے لیے اجتماعی زندگی میں نہیں بلکہ بالکل انفرادی زندگی میں بھی اپنے مسک پر قائم رہنا جو تھے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں۔ باطنی تصورات کے پتھریلے اُس کے دل و دماغ کے کواٹروں سے

ہر وقت ٹکراتے رہتے ہیں، اس کی آنکھیں اپنی پوری احتیاط کے باوجود بے حیائی کے روح فرسا مناظر دیکھنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ وہ رزقِ حلال کے چند نوالوں کے لیے نرتتا ہے، اور مالِ حرام کی بڑی سے بڑی مقدار کو ٹھکرا دینے کے لیے تیار ہوتا ہے، لیکن اسے اتنے بڑے ایشیا رادز قربانی کے باوجود کوئی ایک لقمہ بھی ایسا میسر نہیں آتا جس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جاسکے کہ اس میں حرام کی کوئی معمولی آمیزش بھی نہیں۔ پھر وہ اپنی ننھی ننھی کلیوں کو مغربی تہذیب کی بادِ سموم سے بچا کر رکھنے کے لیے ہر طرح کی تگ و دو کرتا ہے، لیکن اُس کی یہ کوشش کسی درجہ میں بھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی خواہش اور تمنا کے علی الرغم یہ بادِ سموم اُس کے جگر پاروں کو اپنی پیٹ میں فوراً لے لیتی ہے۔ اور یہ کھٹ افسوس متا رہ جاتا ہے۔ جو باطل تصورات کسی نظامِ حیات کے اندر خون کی طرح دوڑ رہے ہوں، ایک زندہ انسان اُن سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔

چنانچہ دیکھیے کہ آج مغربی تہذیب کے علمبردار اپنی تہذیب کو مشرقی اقوام پر مستط کرنے کے لیے جو گروہاں کے مغرب پرستوں کو بتا رہے ہیں اُن میں سب سے پہلا گروہ ہے کہ ان ممالک میں مغربی تہذیب کے پرستاروں کی مضبوط حکومت قائم کی جائے اور پھر اس کی قوت و طاقت کی مدد سے اُس کے افکار و نظریات کو لوگوں کے دل و دماغ میں اتارا جائے۔ یوں تو اس موضوع پر یورپ میں گذشتہ چند سالوں میں بے شمار کتب شائع ہوئی ہیں لیکن اس وقت ہمارے سامنے آئی۔ آر۔ سینائی R. SINI کی کتاب THE CHALLENGE OF MODERNIZATION ہے۔

اس کتاب کی ہمارے نزدیک سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فاضل مصنف نے اہل مغرب کے عزائم کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ یورپ کی دم توڑتی ہوئی تہذیب کے بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشرقی قوموں کو اس کا مومن صادق بنا یا جا۔

لیکن اس کے نزدیک یہ کام مغربی استعمار کے ذریعہ پانچویں تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ وہ مغربی قوموں کو بڑے دروندانہ انداز میں یہ کہتا ہے کہ انہیں مشرق کو سیاسی طور پر تاخت و تاراج کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور ان ممالک کے باشندوں میں سے ایسے لوگوں کو برسرِ اقتدار لانے کی کوشش کرنی چاہیے جو مغربی تہذیب پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہوں اور اس کے نفاذ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے پر آمادہ ہوں۔

مصنعت کے نزدیک اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان ممالک میں مضبوط حکومتیں قائم کی جائیں اور وہاں جمہوریت کے نشوونما کا لوگوں کو قطعاً موقع فراہم نہ کیا جائے کیونکہ جمہوریت کی آزاد فضا میں یہاں رحمت پسند عناصر کو سر اٹھانے اور مغربیت کی بیخ کو روکنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ سینائی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تمدن کے تسلط کی سب سے موثر صورت یہ ہے کہ مشرق کے سارے ممالک میں مضبوط، مستحکم آمریت ابھرے جو بڑی جرأت، حوصلہ مندی اور تاج و عواقب سے یکسر بے پرواہ ہو کر ڈنڈے کے زور سے مغربی تہذیب کو نافذ کر دے۔

وہ اس معاملے میں اشتراکیت تک کو اپنانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغرب میں مارکسی افکار و نظریات اور اشتراک کی نظام حیات کسی حیثیت سے بھی مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوئے۔ کیونکہ انھوں نے انسانوں کو بڑی ظالمانہ جکڑ بندوں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے لیکن وہ اس "نسخہ" کو مشرق کے لیے جید فائدہ مند خیال کرنے ہیں۔ ان کا تجزیہ یہ ہے کہ اشتراکیت کے اثر و نفوذ کی وجہ سے اہل مشرق کی دینی روایات کا جلد جنازہ اٹھ جائے گا اور اس طرح مغربی تہذیب کی راہ میں جو رکاوٹیں موجود ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ دوسرے اشتراک کی نظام چونکہ جاہلانہ حکومت کے بل بوتے پر ہی چل سکتا ہے اس لیے وہاں لازمی طور پر مضبوط، مستحکم آمرتیں قائم ہوں گی جو وہاں کے باشندوں کے احساسات و جذبات کو یکسر نظر انداز

رہتی ہے۔

(بقیہ اشارات)

کرتے ہوئے انہیں مادی اقدار حیات کا پرستار بنانے میں کامیاب ہو گئی۔

فاضل مصنف کو اس بات کا خدشہ لاحق ہے کہ اس قسم کے انقلابی اقدام سے جس کے پیچھے سوائے جبروتِ تشدد کے اور کوئی چیز کارفرما نہ ہو، عوام بوکھلا اٹھیں، تو اس کا علاج اُس کے نزدیک یہ ہے کہ لوگوں کے معاشی معیار بلند کرنے کی پوری کوشش کی جائے تاکہ وہ جب اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دین و ایمان، اپنی عزت و آبرو کو برباد ہوتے ہوئے دیکھیں اور اُن کے ضمیر کے اندر تشویش و اضطراب پیدا ہونے لگے تو اُن کے پیٹ انہیں تسلی اور تشفی دیں اور انہیں یہ اطمینان دلائیں کہ یہ سودا کوئی خسارے کا سودا نہیں۔

مشرقی ممالک میں آج جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب اسی پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔ جمہوریت اور آزادی کے مغربی علمبردار مشرق میں ہر اس گروہ کی بیٹھڑ ٹھونک رہے ہیں جو انسانوں کو اُن کے بنیادی حقوق سے محروم کرے۔ جب صاف ظاہر ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مشرق میں راستے عامہ کو برسرِ اقتدار آنے کا موقع مل گیا تو وہ اُس تہذیب کو اپنانے کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوگی جو ان بد نصیب ممالک میں دیوارِ استبداد بن کر ایک صدی سے اوپر ان پر مسلط رہی ہے، اور جس نے یہاں اتنے شرمناک کھیل کھیلے ہیں کہ اگر انہیں درندوں کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ بھی ندامت سے اپنا سر جھکا لیں اور پوری قوت اور شدت کے ساتھ اپنی برادرت کا اظہار کریں۔

الوجہ محمد ودی پرنٹر، پبلشرز، پاکستان پرنٹنگ ورکس سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، لاہور
سے شائع کیا